تلاوت

خورشید النساء صاحبہ: اب میں محترمہ زینب کا کاخیل سے گزارش کرتی ہوں کہ وہ جہیز کے مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

زینب کا کاخیل: اعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ جہیز کے متعلق آج کل کافی بحث مباحثہ ہو رہا ہے۔ اور سب لوگ جن میں قرآن کے معانی شناس بھی ہیں اور قرآن کا فہم رکھتے ہیں وہ لوگ بھی مطالبہ کرتے ہیں کہ جہیز پہ پابندی ہونی چاہیئے حالانکہ یہ جہیز پہ پابندی شرع کے بھی خلاف ہے۔ اور عملاً بھی یہ ناقابل نفاذ ہے اور عرفاً بھی اس پر پابندی نہیں ہونی چاہیئے۔ یہ شہریوں کے جائز حقوق میں مداخلت ہے۔ اس میں اگر کچھ برائیاں ہیں یا افراط و تفریط ہے۔ تو اس کو دور کر دینا چاہیئے۔ قانونی پابندیاں کم سے کم ہونی چاہئیں۔ اس کے متعلق میں آپ سے گزارش کرتی ہوں کہ قرآن کریم میں آیا ہے:۔

وآتیتم احداھن قنطارا فلا تاخذوا منہ شیئا۔

اگر تم نے کسی ایک بیوی کو ڈھیروں مال بھی دیا ہو تو اس میں سے واپس نہ لو۔ تو اس کا مطلب یہ ہے۔ کہ قرآن کریم یہ حق دیتا ہے۔ کہ بیویوں . . . . کو ڈھیروں مال دیا جائے۔ مہر کے اوپر کوئی پابندی نہیں ہے۔ اور اس کے علاوہ والد کا جو کچھ بھی اثاثہ ہے تھوڑا یا کم اس میں بھی بھائیوں کے ساتھ وہ حصہ دار ہے۔ شادی ایک ایسا موقعہ ہوتا ہے۔ جب انسان کی زندگی میں انقلاب آتا ہے۔ اور وہ ایک الگ گھر بسانا چاہتا ہے۔ تو مہر بھی اس کو ملنا چاہیئے اور ماں باپ کے گھر سے حصہ بھی۔ اس پر قرآن نے کوئی تحدید نہیں لگائی۔ والدین جو کچھ اپنی

استطاعت کے مطابق دے سکیں ان پر پابندی نہیں ہونی چاہیئے کسی کو کوئی حق نہیں کہ وہ
اس پر پابندی لگائے۔ یہ غلام قوموں کا وطیرہ ہے۔ کہ وہ حکومت کو پکارتے ہیں کہ اس پر پابندی
لگاؤ اس پر پابندی لگاؤ۔ پولیس بھیجو۔ میں نے ایک شادی اٹنڈ کی۔ ایک صاحبہ بڑی اچھی متوسط
الحال طبقے کی تھیں۔ اور ان کا ایک ہی بیٹا جس کو انہوں نے بڑے نازوں سے پالا۔ اس کے لیے
ظاہر ہے۔ ہماری عمر کی جو خواتین ہیں ان کے پاس بڑے بھاری بھاری زیور ہوتے تھے بیٹے کی شادی
ایسے موقعہ پر ہوئی ۱۹۷۶ء میں جب جہیز پر پابندی تھی۔ کہ پانچ ہزار یا سات ہزار سے زیادہ
کے تحائف نہیں ہونے چاہئیں۔ جس بیچاری لڑکی کی شادی ہو رہی تھی وہ تو پانچ ہزار کی پابندی
کی وجہ سے شادی کے دن ننگی بچی بیٹھی تھی۔ اور اس کے زیور چھپا دیے گئے تھے۔ کہ کہیں پولیس
چھاپہ نہ مارے لیکن جو خواتین شادی شدہ اس تقریب میں شریک ہوئی تھیں انہوں نے لاکھوں
کے زیور پہن رکھے تھے۔ اور ان پر کوئی پابندی نہیں تھی۔

مجھے اس وقت خیال آیا اللہ کے بندو! اللہ نے جس بات کی آزادی دی ہے۔ اس پر
پابندی لگاتے ہو۔ اللہ کے بندو اسلام تو پابندیوں کی زنجیریں اتارتا ہے تم پابندیوں کی
زنجیریں پہناتے ہو یہ تو ایسی چیز ہے جس میں انسان کو رضامندی اور سوشل پریشر کے طور پر پابندی
لگانی چاہیئے۔ قانونی پابندی نہیں لگوانی چاہیئے اب سوچیے کہ اگر اس قسم کی پابندیاں لگ گئیں تو
بتائیے کہ جو دلہن ہے۔ اس کو تو لوگ مانگ کر بھی سجاتے ہیں کیونکہ یہ اس کا حق ہے۔ قرآن میں ہے

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِىٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ۔

اگر آپ جہیز پر پابندی لگائیں گے تو وہ ساری عمر تو پہنتی رہے گی لیکن جس دن شادی ہو گی۔
اس دن نہیں پہن سکے گی اور اگر پہنے گی تو پولیس کے حوالے ہو جائے گی میں اس پر کھل کر بات کرنا
چاہتی ہوں۔ میں ان لوگوں سے گزارش کرتی ہوں جو قرآن سے واقف ہیں کہ وہ پابندی جہیز پر نہ
لگوائیں کہ اس سے رشوت اور چور بازاری کا دروازہ کھلے گا اور اس سے تکلیف بڑھے گی۔۔۔
حکومت کی پیچیدگیاں بڑھیں گی اور عام شہریوں کا جینا دوبھر ہو گا۔ ناجائز تکلیف پیدا ہو گی
اور اسلام کی روح کچلی جائیگی۔

خورشید النساء صاحبہ: میں اب زبیدہ واصل صاحبہ سے گزارش کرتی ہوں کہ وہ اپنے

خیالات کا اظہار فرمائیں۔

زبیدہ واصل: جہاں تک میں نے ابھی محترمہ کا کاخیل کے خیالات سنے اور جو کچھ ہم معاشرہ میں دیکھ بھی رہے ہیں۔ درحقیقت کوئی بھی قانون بنا دینے سے معاشرے کے مسائل حل نہیں ہوتے۔ خصوصاً وہ قوانین جن کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خاموشی اختیار فرمائی ہو۔ اب آج کا عالم یہ ہے۔ کہ ہم گڈ مڈ کر دیتے ہیں ان قوانین کو جن کے بارے میں واضح حکم موجود ہے۔ صحابہ کے نظائر موجود ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام موجود ہیں۔ اور ان کاموں کو جن کو حضورؐ نے معاشرے کی صوابدید اور حالات پر چھوڑ دیا ہے۔ ہم سب کو خلط ملط کر دیتے ہیں کچھ ہیں تو اوامر و نواہی مثلاً یہاں ایجنڈے میں پردہ بھی ہے مخلوط تعلیم بھی ہے بچوں کی پرورش ہے۔ دیت قصاص شہادت اور جہیز اور ملازمت وغیرہ ہے۔ ان سب چیزوں کو ایک ہی زمرے میں نہیں رکھ سکتے ہمیں یہ دیکھنا ہوگا کہ ان میں سے کون ایسے آئٹم ہیں جن کے بارے میں قرآن وسنت فیصلہ دے چکے ہیں۔ خلافت راشدہ اور صحابہ سے نظائر ملتے ہیں اور فقہاء امت فیصلہ دے چکے ہیں۔ اب چونکہ جہیز کے بارے میں بات کرنی ہے تو حقیقت یہی ہے۔ کہ انسان کے پاس جو کچھ ہوتا ہے۔ وہ اولاد کے لیے۔ ہوتا ہے۔ چاہے وہ اس کو ترکہ میں چھوڑ کر مرے یا زندگی میں جہیز کی صورت میں دے دے یا بری کی صورت میں دے یا جائیداد کی صورت میں دے دے۔ یہ بھی حقیقت ہے۔ کہ حضور کریم صلی اللہ علیہ وسلم خود درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ اور بھوک کی صورت میں پیٹ پر پتھر بندھے ہوئے تھے۔ تب بھی انہوں نے بصورت جہیز حضرت فاطمہ کو ایک مشکیزہ اور ایک چکی اور چند برتن دے ہی دیئے ان کی زندگی سے اگر موازنہ کریں۔ تو وہ جہیز ان کا ویسا ہی تھا جیسی ان کی زندگی تھی۔ اب ایک طرف تو یہ ہے۔ ہمارے آگے پیچھے اور نیچے قالین ہیں سیڑھیوں پر قالین ہے۔ اور زندگی کی کوئی آسائش ایسی نہیں جو ہمیں میسر نہ ہو۔ اور دوسری طرف جہیز پر پابندی کی بات کرتے ہیں کہ ہونا چاہیئے کیونکہ بیٹیوں والے پریشان ہیں۔ حقیقت یہی ہے۔ کہ آج گھر گھر جوان بیٹیاں چار چار چھ چھ بیٹھی ہوتی ہیں صرف جہیز کی وجہ سے جہاں سے جہیز مل جاتا ہے۔ یا ملنے کی امید ہوتی ہے وہ بیٹیاں فوراً اٹھ جاتی ہیں۔

لیکن جہاں سے یہ توقع نہ ہو وہاں بچیوں میں تمام خوبیاں ہونے کے باوجود وہ بیٹھی رہ جاتی ہیں۔ اگر ان باتوں کو پیش نظر رکھیں تو دل یہ چاہتا ہے۔ کہ جہیز کو قطعاً بند کر دیا جائے۔ لیکن اگر دوسری طرف دیکھیں کہ جن کے پاس ہے۔ وہ آگے ہیں پولیس کو دعوت دیتے ہیں اور انکی خدمت تواضع کرتے ہیں اور بڑے دھڑلے کے ساتھ جہیز دیتے ہیں بات دراصل اس طرح ہے کہ پہلے لوگوں کے دل میں خوف خدا پیدا ہو وہ احکام اسلامیہ پر عمل کرنے کے لیے تیار کئے جائیں اور ہم ان کو خدمت خلق پر ابھاریں کہ اصل چیز تمہارا اپنا کھانا پہننا نہیں ہے۔ اور اپنے ہی بچوں کو کھلانا پہنانا نہیں ہے بلکہ یہ ہے۔ کہ اگر اللہ نے تمہیں تمہاری ضرورت سے زیادہ دیا ہے۔ تو اسے دوسرے انسانوں کی بھلائی کے لیے خرچ کرو۔ صرف پابندی لگا دینا کسی مسئلہ کا حل نہیں ہوتا۔ بتایئے جس چیز پر بھی پابندی لگا دی گئی وہ کنٹرول ہوئی ہے رکشاؤں سے میٹر رکشاؤں کے سائیلنسر یا دیگر ایسی چیزیں۔ جہیز پر پابندی کا بھی یہی عالم ہے۔ کہ کہیں پہلے کہیں بعد میں پہنچ جاتا۔ اور پابندی لگانے والے خود خلاف ورزی کرتے ہیں۔ سرکاری عہدے داروں کے جہیز کی فہرستیں اخبارات میں کبھی کبھی آ ہی جاتی ہیں جب تک افراد کی اصلاح نہیں ہوتی خواہ وہ کسی بھی جگہ پر کام کرتے ہوں اس وقت تک کسی قانون سے کوئی نتیجہ پیدا نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے نماز کے آرڈیننس کا جو حشر ہوا نہیں دیکھا وقفہ تو برائے نماز ہوتا ہے۔ اور اہلکار اٹھ کر باہر کھڑے یا سگریٹ پیتے ہیں یا پھر سرے سے گھر ہی چلے جاتے ہیں۔ بڑے افسران ریٹائرنگ روم میں گپ ہانکتے ہیں۔ اس لیے ضرورت اس بات کی ہے۔ کہ کوئی ایسا لائحہ عمل تیار کیا جائے جس سے اس قوم کے اندر کا انسان اصلاح پذیر ہو پھر جہیز وغیرہ کے تمام مسائل درست ہو جائیں گے۔ البتہ ایک چیز کہ جہیز کی نمائش سے غریب عوام کا جو دل ٹوٹتا ہے۔ یہ اللہ کی گرفت کا سبب بنتا ہے۔ اس لئے اس سے حتی الامکان پرہیز کیا جائے تو بہتر ہے۔ ایسے دینے اور لینے پر پابندی عائد کرنے سے کوئی اصلاح ہو جائے یہ ناممکن ہے۔

محترمہ خورشید النسا صاحب : اور بھی کوئی محترمہ اس موضوع پر گفتگو فرمائیں گی یا نہیں اب پانچ پانچ منٹ گفتگو ہو گی۔

مریم بیگم : میں بھی اتفاق سے بلدیہ لاہور کی کونسلر ہوں جیسے کہ آپ نے فرمایا

کہ جہیز کے بارے میں کچھ عرض کروں۔ تو دیکھنا یہ ہے۔ کہ جہیز ہے۔ کیا چیز ہم مسلمانوں میں جہیز وہ تحفہ ہے۔ جو شادی کے موقع پر ماں باپ کی طرف سے دیا جاتا ہے۔ لیکن ہمارے اندر ہندوؤں کے اثر سے جہیز نے وہ صورت اختیار کر لی ہے۔ کہ اگر جہیز نہ دیا جائے تو لڑکی کا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے۔ یعنی جیسے وہ لین دین کا ایک مسئلہ ہے۔ یہ چیز اسلامی نقطۂ نظر سے بالکل غلط ہے جتنا کچھ کسی سے ہو سکے دے۔ لیکن اس میں نمائش فخر وریاء اور دولت اور اپنے بڑے پن کا اظہار یہ کسی صورت میں نہیں ہونا چاہیئے۔ چونکہ اس وقت لڑکے والوں کے اندر اور خود لڑکوں کے اندر لالچ کا ایک رجحان پیدا ہو گیا ہے اور وہ اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتے ہیں۔ جس کے پاس دولت زیادہ ہے۔ یہ چیز دین دنیا کے لحاظ سے غلط ہے اس رجحان کو بہر کیف ختم ہونا چاہیئے اور یہ جہیز کا مسئلہ اسی وقت ختم ہو سکتا ہے۔ جب ہم دل ودماغ کو تبدیل کریں اور دل ودماغ سے لالچ اور ریاکاری کو نکال دیں گے حضورؐ کی ایک حدیث شریف ہے۔ جس نے کسی عورت سے اس لیے شادی کی کہ اسے مال ملے گا۔ تو اس کے اوپر مفلسی آئے گی۔ الفاظ تو مجھے یاد نہیں تاہم مفہوم یہی ہے۔ جس نے عزت کے لیے شادی کی اسے بے عزتی ملے گی۔ جس نے محض شکل وصورت پر شادی کی تو اس کے لیے بھی ایسی ہی وعید ہے۔ خوش حالی اور خوش بختی صرف اس وقت آتی ہے جب وہ شادی تقویٰ اور پرہیز گاری دیکھ کر کرے۔ تو اس نقطۂ نظر کو ہمیں سامنے رکھنا چاہیئے اور مردوں اور عورتوں دونوں کو بحیثیت مسلمان اس بات پر سوچنا چاہیئے۔

خورشید النساء: آپ حضرات نے جہیز کے متعلق جو کچھ کہا برحق ہے۔ ذہنی طور پر ہم سب کو ان خیالات کی پابندی کرنا ہو گی جو جہیز نہ لانے کی صورت میں ساس بن کر نندین کر بھاوج بن کر تنگ کرتی ہے۔ اس کے ساتھ ظلم کرتی ہے۔ اور خاوند اس کے ساتھ برا سلوک کرتا ہے۔ تنگ کرتا ہے۔ اگر ہمارے ذہنوں سے یہ چیز نکل جائے تو جہیز کی اتنی ریاکاری کی ضرورت ہمارے ذہنوں سے ختم ہو جائے گی۔ یہ ٹھیک ہے۔ کہ اپنی اپنی بساط کے مطابق جہیز دیا جائے لیکن ایسا نہیں ہوتا۔ جہیز قرض لے کر دیا جاتا ہے تاکہ سسرال میں جا کر لڑکی کی زندگی اس کے لیے مصیبت نہ بن جائے اگر ہم عورتیں ساس اور نند بن کر اپنے ذہن

میں یہ چیزیں نہ رکھیں تو پھر غریب اور متوسط الحال طبقہ کے لوگ اپنی حیثیت کے مطابق جہیز دیں گے اور یہ جائز ہوگا۔

نزہت فردوس: جہیز کے مسئلے میں بہت کچھ کہا جا چکا ہے لیکن میں نے اپنے رشتہ داروں میں جو کچھ دیکھا ہے۔ وہ یہ ہے کہ جہیز کا مسئلہ اس وقت شروع ہوتا ہے۔ جب کوئی خاندان کسی ایسے خاندان میں رشتہ کرتا ہے جو اس سے بڑا ہو مال و دولت کے لحاظ سے۔ اگر وہ اپنے ہی جیسوں میں رشتہ کرنا چاہتا ہے تو پھر جہیز کا مسئلہ پیدا ہی نہیں ہوتا۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے خصوصاً غریب خاندانوں میں ایک دو بستر ہوتے ہیں ایک آدھ چارپائی اور چند برتن ہوتے ہیں اور دو چار جوڑے کپڑوں کے اور اسی میں شادی ہو جاتی ہے۔ وجہ کیا ہوتی ہے کہ تانگہ بان اپنی بیٹی کے لیے کوئی تانگہ بان ہی تلاش کرتا ہے۔ مزدور اپنی لڑکی کے لئے مزدور کو تلاش کرتا ہے۔ یہاں شہر میں لڑکیاں کچھ پڑھ لکھ جاتی ہیں لیکن ان کا خاندان معاشرتی اعتبار سے نچلا ہی خاندان کہلاتا ہے۔ اگر خوش قسمتی سے ایسے خاندان کے پاس دولت بھی آجائے تو پھر وہ اپنی لڑکیوں کے لیے کسی اونچے خاندان میں رشتہ تلاش کرتا ہے۔ اب ان کے مقابلے میں اپنے آپ کو لانے کے لیے لڑکیوں کو جہیز سے سپورٹ دیتے ہیں۔ ایسی صورت میں اگر جہیز دیا جاتا ہے۔ تو میں سمجھتی ہوں کہ ناجائز بھی نہیں ہوگا۔ اگر آدمی اپنی حیثیت کے اندر رہے تو اسے جہیز کا مسئلہ پیش نہیں آتا۔ یہ تو میری اپنی رائے ہے۔ جہیز کی علمی اعتبار سے نہ میں موافقت کر سکتی ہوں نہ مخالفت۔ یہ ضرور کہوں گی کہ ایک حدیث بھی ہے اپنے ہی جیسوں میں رشتہ کیا جائے۔ اگر ہم اپنے ہی جیسوں میں رشتہ کریں تو نہ جہیز کا مسئلہ پیدا ہوگا۔ اور نہ ہی طعنے برداشت کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ رشتے کرتے وقت رشتہ لینے والے کو پتہ ہوتا ہے۔ کہ اس کے اتنے وسائل ہیں اور یہ اتنے ہی وسائل کے اندر مجھے دے گا جو کچھ اس نے دینا ہے۔ اور اگر کچھ اپنے وسائل سے بڑھ کر تھوڑا سا دے دیا جائے تو وہ خوش ہو جاتا ہے۔ لیکن جہیز کی تکلیف کا مسئلہ اس وقت پیدا ہوتا ہے۔ جب ہم ہوں تو کچھ اور مگر سوسائٹی کے سامنے اپنے آپ کو بڑھا چڑھا کر پیش کریں۔

خورشید النسا: اب محترمہ کا کاخیل سے گزارش ہے۔ کہ وہ اگلے موضوع پر اپنے

خیالات کا اظہار فرمائیں۔

زینب کا کاخیل صاحبہ: یہ جو ملازمت کا موضوع ہے۔ اس سلسلے میں گذارش ہے۔ کہ جہاں تک اسلام کے مزاج کا تعلق ہے۔ اس میں عورت کو کسب معاش سے بری کیا گیا ہے اور اس کے لیے ضروری نہیں وہ کسب معاش کے لیے دوڑتی پھرے اور ماری ماری پھرے۔ لیکن اگر ضرورت پڑے اور اس میں صلاحیت ہو تو پردے کی حدود کو مدنظر رکھ کر اگر ملازمت کرے تو اس میں کوئی پابندی بھی نہیں۔ جیسا کہ ہم ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی مثال میں دیکھتے ہیں اور تاریخ اسلام میں بھی اس طرح کی کئی عورتیں ملتی ہیں جو کاروبار زندگی میں خاصی نمایاں نظر آتی ہیں یہی اب بھی ہونا چاہیئے۔ یہ جو مغرب کا نظریہ ہے کہ ہر عورت کو معاش کے لیے کام کرنا چاہیئے اور اس کو باہر نکلنا چاہیئے یہ غلط ہے۔ کام تو گھر کے اندر بھی ہے کام تو ہر بالغ عورت مرد کو کرنا چاہیئے لیکن یہ بات کہ نوکری جاکر کارخانوں میں کرے اور گھر کے کام کو وہ کام نہ سمجھے تو یہ بات غلط ہے۔ جہاں تک گذارہ ہو سکے کفالت مرد کرے اور عورت گھر کے کام کو نبھائے اگر معاشرہ میں توازن پیدا کرنا ہے۔ اور اگر آئندہ نسلوں کو صحیح تربیت دینی ہے اور ہمہ جہتی تربیت دینا ہے۔ اور ان کو آوارگی سے بچا کر گھر کا مرکز لازمی طور سے دینا ہے تو خواتین گھر کے فرائض کو اولیت دیں۔ اس کے ساتھ اگر ضروری ہو تو مثلاً خواتین کو تعلیم دینے کے لیے خواتین نہ ہوں تو مردوں سے پڑھنا پڑے گا اسی طرح طب میں بھی اگر خواتین ہی ہوں تو اچھا ہی ہے۔ کہ کام بھی کریں اور آمدنی بھی ہو۔ لیکن اسلامی اصول ہر صورت میں مدنظر رہنے چاہئیں۔ یعنی پردے کی حدود کی مخالفت سے قطعاً پرہیز ہونا چاہیئے۔ اور اخلاقی بگاڑ پیدا کرنے کے تمام مواقع ختم ہونے چاہئیں۔ جیسا کہ آج سے بیس تیس برس قبل ہماری عورتیں پردے میں اور گھر میں تعلیم و تربیت اور دستکاری کے چھوٹے موٹے کام سرانجام دیتی تھیں۔ اور اس طرح وہ معاشی اعتبار سے ممد و معاون ہوتی تھیں اور بے کار بھی ہرگز نہ ہوتی تھیں۔ انہی خطوط پر اگر عورت کام کرنا چاہے۔ تو کرے اور اگر ضرورت مند ہو تو ضرور اس کو کام مہیا کرنا چاہیئے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ ہر عورت کام کے لیے ماری ماری پھرے۔

خورشید النساء: اب بیگم واصل سے گذارش ہے کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔
زبیدہ واصل صاحبہ: میری بہت واجب الاحترام بزرگ جناب کاکاخیل صاحب نے جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے یقیناً انہوں نے نفس واقعہ کی پوری نشان دہی فرمادی ہے۔ اصل مسئلہ موجودہ معاشرہ میں یہ نہیں کہ ملازمت کی جائے۔ یا نہ کی جائے بلکہ اصل مسئلہ یہ ہے۔ کہ مغرب زدہ خواتین ملک میں انتشار پھیلانا چاہتی ہیں۔ ہماری خواتین کو زبردستی گھروں سے کھینچ کر باہر لانا چاہتی ہیں۔ اور چونکہ ملک کے حالات اس قسم کے ہو چکے ہیں۔ کہ یہاں پر کچھ نہ کچھ شور شرابہ چاہیئے۔ یعنی جو جڑیں ملک کی راشی طبقہ کھوکھلی کر چکا ہے۔ اور نوکر شاہی طبقہ لہٰذا وہ اپنی کرسی سنبھالنے کیلئے کوئی نہ کوئی شوشہ ضرور چھوڑ دیتے ہیں۔ پہلے شہادت کا شوشہ چھوڑا تھا پھر دیت و قصاص کا شروع کر دیا۔ اسی میں پھر وہ ملازمت کو ملا دیتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے۔ کہ آج مغربی معاشرے میں جہاں پر کہ عورت کے لئے بھی کمانا اتنا ہی ضروری ہے۔ جتنا کہ مرد کے لیے جو حشر اس معاشرے کا ہو رہا ہے اور جتنے اس کے بھیانک نتائج نکل رہے ہیں۔ نتیجہ نکلتے نکلتے لگ بھگ ایک صدی لگتی ہے۔ آج وہ نتیجہ وہاں پر نکلا ہے کہ تیرہ چودہ سال کے لڑکے اور لڑکی کو ماں باپ اب کہتے ہیں میاں تمہارا ہم سے کوئی تعلق نہیں تم خود کما کے کھاؤ۔ پھر وہ یہیں پر نہیں ٹھہرے گا۔ کہ عورت بھی ساتھ میں کمائے بلکہ جب یہ ملازمت کی بات چلے گی تو وہ یہاں تک چلے گی کہ ماں باپ اولاد کی کفالت سے انکار کر دیں گے۔ پھر ملازمت میں یہ ضروری ہوتا ہے کہ اختلاط ہو اور یہاں تک ہوتا ہے کہ عورت کا سیکریٹری مرد ہوتا ہے۔ اور مرد کی سیکریٹری عورت ہوتی ہے۔ اور یہی وبا ہمارے ملک میں آہستہ آہستہ آرہی ہے۔ یورپ میں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ مرد عورت دوست کے ساتھ رات ایک بجے تک گھومتا رہتا ہے۔ اور عورت اپنے مرد دوست کے ساتھ رات ایک بجے تک گھومتی رہتی ہے۔ گھر کا کوئی اصول نہیں گھر کا کوئی نظام نہیں۔ بچوں کی کوئی نگہداشت نہیں نتیجہ یہ نکلا ہے۔ کہ تیرہ چودہ سال کے بچوں میں خودکشی کا رجحان خوفناک حد تک پہنچ گیا ہے۔ چونکہ اس عمر کے بچے بات کو بھول نہیں سکتے ابا کے ساتھ ماں کو نہیں پاتے اور ماں کے ساتھ ابا کو نہیں پاتے تو ایک اندرونی شکست و ریخت کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اور

اس اندرونی کش مکش کا مقابلہ نہ کر سکنے کے نتیجے میں وہ خودکشی کر لیتے ہیں۔

مسئلہ اصل میں روزگار یا ملازمت کا نہیں ہے۔ اسلام نے قطعاً منع نہیں کیا کہ اگر کسی مرد کی آمدن تھوڑی ہے اور اس سے گھر کا نظام نہیں چل سکتا تو عورت اس کے ساتھ تعاون نہ کرے جیسا کہ محترمہ نے فرمایا کہ عورتیں گھر میں بیٹھ کر بھی خاوند کا ہاتھ بٹا سکتی ہیں۔ دسیوں بیسیوں کام ایسے ہیں جن سے عورت گھر کے معاشی مسئلے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے۔ سلائی، کڑھائی، بنائی اور اس سے عورت کو باہر بھی نہیں جانا پڑتا۔ باہر کے سلائی اور کڑھائی کے جو نمونے آتے ہیں۔ ان کو ہم مہنگے داموں خریدتے ہیں۔ لیکن ایک زمانہ تھا کہ یہ سلائی اور کڑھائی مسلمان عورتیں خود کرتی تھیں اور بہت ہی خوب صورت ہوتی تھی۔ آج ہمارے ملک کی خواتین باہر کی کڑھائی کو پسند کرتی اور ان پر روپیہ خرچ کرتی ہیں حالانکہ وہ اتنا معیاری کام بھی نہیں ہوتا لیکن وہ خود کام کرنا معیوب سمجھتی ہیں۔ جبکہ وہ اس سے بہتر کر سکتی ہیں۔ اگر وہ چاہیں تو اس طرح کما سکتی ہیں۔ اور گھر سے باہر نکلنے سے بھی بچ سکتی ہیں۔ کیا عورت کو اگر ضرورت ہے تو معاش کا صرف ایک ملازمت ہی ذریعہ رہ گیا ہے۔ وہ کام کیوں نہیں کیے جا سکتے جو گھر میں بیٹھ کر کیے جا سکتے ہیں اور پیسہ بھی کمایا جا سکتا ہے۔ معاش کے لیے مرد جب باہر جاتا ہے تو اس کو تو کوئی خطرہ نہیں اس کے برعکس عورت جب نکلتی ہے۔ تو گھر کے دروازے سے دفتر تک اور پھر دفتر سے گھر تک جس طرح پہنچتی ہے وہ ہم سب کو معلوم ہے۔ اور یہ اس کا کسب معاش حلال ہی ہو پھر بھی مشتبہ ہو جاتا ہے۔ تو کیا وجہ ہے۔ کہ ہم صرف ملازمت کے پیچھے چلے جا رہے ہیں۔ اگر گھر میں پورا نہیں پڑتا ہے تو دوسرے کام بھی تو ہیں اور وہ عورت کرتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانے میں ایک صحابیہ تھیں جو باقاعدہ سرجن تھیں۔ بات تو یہیں پہ ختم ہو جاتی ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ پورے عرب کی مانی ہوئی تاجر تھیں۔

اور حضور علیہ السلام نے پہلے ان کے کارندے کے طور پر سفر کیا تھا۔ آپ کی دیانت امانت اور فراست کو دیکھ کر حضرت خدیجہ نے پیغام نکاح دیا۔ مسئلہ ملازمت کا نہیں ہے۔ مسئلہ کفالت کا ہے۔ اگر مرد کے مالی حالات ایسے ہیں کہ متوسط سے گھر کے مالی حالات

چل سکتے ہیں تو پھر عورت کو دربدر ٹھوکریں کھانے کی کوئی ضرورت نہیں اور اگر مرد کی مالی پوزیشن کمزور ہے تو پھر عورت اس کی مددگار رہو گی۔ زیادہ بہتر ہے کہ گھر میں بیٹھ کر کام کرے اور اگر بامر مجبوری باہر نکلنا ہو تو شرعی حدود کے اندر رہ کر نکلے یہ چیز بالکل خلاف شرع ہے۔ کہ شوق برائے شوق کے طور پر یا ضرورت سے زیادہ آمدنی بڑھانے کو ملازمت کی جائے۔ صبح گھر سے نکلتی ہیں چار سو روپے تنخواہ کی خاطر سارا دن دفتر میں مختلف لوگوں کے درمیان بھٹکتی ہیں۔ ادھر بچے خراب ہو رہے ہیں نوکرانیاں گھر سے چوری کر کے بھاگ رہی ہیں اور تنخواہ جو ہے وہ جوتوں اور کپڑوں میں ختم ہو رہی ہے۔

خورشید النساء: اب میں بیگم زاہدہ وحید سے گزارش کرتی ہوں کہ وہ اپنے خیالات سے مستفیض فرمائیں۔

بیگم زاہدہ وحید: عورتوں کی ملازمت کے بارے میں میں یہ کہوں گی کہ جو حالات اس وقت جا رہے ہیں ان میں عورت کو اگر گھر سے نکلنا پڑے بھی تو .... اس کے لیے ایسے مواقع ہونے چاہئیں کہ وہ باعزت طور پر جا کر کام کر سکیں۔ یہ ضروری نہیں کہ وہ نوکری ہی کریں۔ آپ ادارے بنائیں جن میں وہ دستکاری کر سکے۔ ہمارا ایک ادارہ ہے ۔ کرشن نگر میں اس میں جو عورت کچھ بھی نہیں کر سکتی وہ ہمارے ہاں آکر صرف مصالحے پیستی ہے۔ اس سے بھی وہ کچھ نہ کچھ کما لیتی ہے۔ اور اس طرح وہ معاش کے معاملے میں خاوند کی ممد ہو سکتی ہے۔

مریم عبدالسلام: خواتین کے اس اجتماع میں میں واحد ایک نمائندہ ہوں جو ملازمت کرتی ہوں۔

خورشید النساء اور بیگم واصل صاحبہ: آپ اپنے تجربات بتائیے۔

مریم عبدالسلام: ملازمت کچھ زیادہ مشکل بھی نہیں لیکن آسان بھی نہیں۔ اس کے لیے ہمیں اپنے آپ پر بہت ساری پابندیاں عائد کرنی پڑتی ہیں اگر ہم اپنے اوپر پابندی عائد کر لیتے ہیں تو پھر کوئی دوسرا ہمیں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ ابھی بیگم واصل صاحبہ فرما رہی تھی۔ کہ مرد کی سکریٹری عورت ہوتی ہے۔ اور عورت کا سکریٹری مرد ہوتا ہے اور رات گئے

تک وہ سیر سپاٹا کرتے ہیں تو یہ ملازمت کی خرابی نہیں ہے۔ اس میں خرابی معاشرتی ہے مثلاً اچھا رشتہ نہیں ملتا ہے۔ تو لڑکیاں اپنے مستقبل کے لیے کوئی اچھا ساتھی تلاش کرتی ہیں اور یہ تلاش ان کو غلط راستے پر ڈال دیتی ہے۔ ایک کو آزماتی ہیں پھر دوسرے کو آزماتی تو نتیجہ کیا نکلتا ہے۔ لڑکی بدنام ہو جاتی ہے نہ گھر کی رہتی ہے۔ نہ گھاٹ کی۔

بیگم واصل: تو گویا یہ تو آپ اقرار کرتی ہیں کہ یہ تجربہ غلط ہے۔

مریم عبداسلام: تجربہ غلط ہے۔ اور یہ معاشرتی خرابی کی بنیاد پر ہے۔ نہ کہ ملازمت کی بنیاد پر۔

بیگم واصل: ہم تو مغرب کے پیچھے پیچھے چلتے ہیں۔

بیگم عبدالسلام: ملازمت کو برا کہنا کوئی اچھی بات نہیں ہے۔ اسے ہمیں مشرف باسلام کرنا چاہیئے۔ مثلاً میڈیکل اور ایجوکیشن میں لڑکیاں کام کرتی ہیں۔ اور یہاں زنانہ سٹاف کی ضرورت بھی ہوتی ہے۔ سب سے بڑھ کر جب عورتوں کا اپریشن ہوتا ہے۔ تو سٹریچر پر عورتوں کو مرد اٹھاتے ہیں اور سٹریچر سے اٹھا کر بستر پر بھی مرد ڈالتے ہیں تو عورت کی بڑی بے حرمتی ہوتی ہے اب اگر وہاں عورتیں کام کرنے والی ہوں تو عورت کی حرمت بھی محفوظ رہے۔ اور ایک عورت کو روزگار بھی مہیا ہو جائے۔

اس لیے ملازمت کے معاوضے میں عورت کو پیسے ملتے ہیں۔ کام تو بہر حال عورت کو کرنا ہے۔ وہ گھریلو عورت ہو یا ایک کونسلر ہو یا سوشل ورکر ہو وہ گھر سے باہر نکلتی ہے۔ اور بن سنور کر نکلتی ہے۔ تو اسے کوئی برا نہیں کہتا لیکن ایک لڑکی یا ایک عورت کام کرنے کیلئے نکلتی ہے۔ اسے مناسب معاوضہ بھی ملتا ہے اور وہ ایسی فکس پے منٹ ہوتی ہے جس کے لیے اسے زائد طور پر نہ اپنا فیشن دکھانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور نہ اپنی شکل وصورت دکھانا ہوتی ہے۔ اسے آپ برا کہتے ہیں۔ اگر ایک عورت کونسلر بن سکتی ہے اور گھر سے باہر نکل کر کام کر سکتی ہے۔ تو ایک عورت ملازمت کیوں نہیں کر سکتی صرف دیکھنا یہ ہے کہ وہ ماحول اور وہ معاشرہ جہاں اسے جانا ہے وہ اسکو سدھارتا ہے یا نہیں۔ میں تو اس معاملے میں کہوں گی کہ اگر کوئی عورت اپنے طور پر ہی اپنے اوپر کوئی پابندیاں لگا لیتی ہے۔ تو وہ بہت جدوجہد کرتی ہے۔ کیونکہ گھر کا کام ½ حصہ مرد کی ذمہ داری

ہے۔ اور یہ عورت کی ذمہ داری ہے۔ گھریلو کاموں میں اب اگر وہ ملازمت بھی ساتھ کرنے لگتی ہے تو اس کے اوپر مرد جتنی ذمہ داری اور لاگو ہو جاتی ہے۔ پھر دورانِ ملازمت جو اسے اپنے آپ کو بچا بچا کر رکھنا ہوتا ہے۔ اور اپنا تحفظ کرنا ہوتا ہے۔ اس طرح اس کی تین گنا ذمہ داری بن جاتی ہے۔ گویا مرد ایک ذمہ داری اٹھاتا ہے۔ اور وہ تین گنا بوجھ اٹھاتی ہے۔

عورت کوئی ناکارہ چیز نہیں جس سے کوئی کام ہی نہ لیا جائے ہمیں ایسا معاشرہ پیدا کرنا چاہیئے کہ عورت کو کم سے کم کام کرنا پڑے بوجھ بھی کم ہو اور اس کی عزت بھی بڑھے تو میں گزارش کروں گی کہ ملازمت کو بُرا نہ سمجھا جائے بلکہ ملازمت کے دوران خراب صورت حال جو معاشرتی خرابیوں کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔ ان کو دور کیا جائے۔

بیگم واصل صاحبہ: محترمہ نزہت سے پہلے زینب کاکاخیل صاحبہ نے اور میں نے گفتگو کی تھی۔ اور حقیقت یہ ہے کہ بیگم کاکاخیل ہمیشہ پرنسپل کے عہدے پر رہی ہیں۔ تاوقتیکہ ریٹائرڈ نہیں ہو گئیں لاہور کی بہترین شخصیتوں میں سے ایک ہیں۔ میں خود بھی کونسلر ہوں اور مردوں میں بیٹھ کر کام کرتی ہوں آپ بھی جاتی محنت سے ملازمت کا کام کرتی ہیں۔ اور خود تسلیم بھی کر رہی ہیں کہ آپ کس قدر دباؤ میں رہتی ہیں۔ بات ملازمت کی مخالفت کی نہیں ہے بات دراصل یہ ہے کہ یہ جو ایک لہر چلی ہوئی ہے اور مغرب زدہ خواتین نے پھیلا رکھی ہے اور سڑکوں پر نکل کر ہمارے حقوق حقوق کی رٹ لگاتی پھرتی ہیں۔ اب آپ نے خود اعتراف کیا ہے کہ نوکری کر کے آپ کو کس قدر ٹینشن اٹھانا پڑتی ہے۔ میں خود بھی اس بات کو تسلیم کرتی ہوں کہ کونسلر بننے کے بعد مجھے کتنی ٹینشن اور ذہنی اور جسمانی پریشانی لاحق ہو گئی ہے۔ اور مجھے اپنے بچوں کے حقوق ماننا پڑتے ہیں۔ ان کے حقوق سلب ہو رہے ہیں۔ میں نے یہی بات کہی تھی۔ کہ آج عام جو ایک لہر اُٹھ رہی ہے کہ عورت کو ملازمت کرنی چاہیئے ہم تین چار بیٹھے ہیں۔ مریم بیگم بیٹھی ہیں انہیں معلوم ہے کہ جب وہ کونسلری کیلئے نکلتی ہیں تو انہیں کیا کچھ کرنا پڑتا ہے۔ ہمارے اوپر ذمہ داریوں کے بوجھ بڑھ گئے ہیں میں خود بھی بتا رہی ہوں کہ واقعتہً ایک مشین بن گئی ہوں۔ آپ خود بھی اس بات کو تسلیم کر رہی ہیں کہ ذہنی طور پر بھی پریشان ہیں اور گھر والوں کے طعنے بھی سننے پڑتے ہیں۔ اگر ہر عورت کو آپ ملازمت میں پھنسا دیں گے تو یہ مسئلے کا حل نہیں ہو گا۔ میں نے جو کونسلری کو قبول کیا ہے تو محض اس وجہ سے کہ

کہا جانے لگا تھا۔ کہ عورتوں میں صلاحیت ہی نہیں۔ اب ہماری عورتوں کی سیٹیں تو تھیں ہی جب ہم کر سکتے تھے۔ تو وہ کوئی اور کیوں لے جاتا۔ ہم نے اس کو صرف اسلئے قبول کیا ہے۔ ہمیں باہر نکلنے کا شوق نہیں ہے۔ اس میں جو مشکلات ہیں وہ ہمیں معلوم تھیں۔ لہذا بجائے خود ملازمت کوئی بُری چیز نہیں بلکہ جہاں تک تعلیم اور میڈیکل کا تعلق ہے۔ وہ تو لازماً زنانہ شعبے زنانہ تحویل ہی میں ہونے چاہئیں۔ اس سے کسی کو بھی انکار نہیں۔۔۔۔۔۔۔

امت السلام: میں آپ سے ایک سوال کرنا چاہوں گی یہ جو آپ نے کہا کہ لڑکیاں اپنے آپ کو کنٹرول کر کے مردوں کے ساتھ بیٹھ کر کام کر سکتی ہیں آپ مجھے یہ بتایئے کہ کتنی لڑکیاں ہونگی جو اپنے آپ کو کنٹرول کر لیں گی لڑکیوں کی اکثریت جو آپ دیکھ رہیں ہیں وہ مردوں کو دیکھ کر ایک دم بیکار ہو جاتی ہے۔ انہیں پتہ نہیں ہوتا کہ یہ کس طرح کا آدمی ہے۔ کون ہے اپنے آپ کو اٹھانا اور نمائش اور اس قسم کی حرکتیں کرنا شروع کر دیتی ہیں اس قسم کی لڑکیوں کی اکثریت ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔

زبیدہ واصل: آپ کو اندازہ ہوگا کہ ایک مچھلی ہوتی ہے۔ جو سارے تالاب کو گندا کرتی ہے۔

امت السلام: میں یونیورسٹی میں ایم اے کی طالبہ ہوں مجھے معلوم ہے کہ وہاں لڑکیاں کس طرح آتی ہیں۔ وہاں تو صرف تعلیم کا مسئلہ ہے جہاں آٹھ گھنٹے مل کر کام کرنا ہے۔ وہاں عورت کب تک اپنے آپ پر کنٹرول کرے گی۔ شیطان مرد کے ساتھ بھی لگا ہوا ہے۔ اور عورت کے ساتھ بھی وہ کسی لمحہ بھی ان کو بہکا سکتا ہے۔ متقی اور پرہیز گار تو آج کے دور میں کوئی ایک آدھ ہی ہوگی۔

بشریٰ ہاشمی: آپ کی باتیں سن کر میرے ذہن میں بھی چند سوالات ابھرے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ عورت کے اوپر بہت پریشر ہوتا ہے ملازمت کے دوران بلکہ اسکو تین گنا بوجھ اٹھانا پڑتا ہے مردوں کی بنسبت، اسے گھر بچے اور شوہر کی باتوں تک کو سننا پڑتا ہے۔ تو کیا آپ کا خیال اس طرف نہیں جاتا کہ جب اللہ تعالیٰ نے عورت کو گھر میں رہنے کیلئے کہا اور مرد پر اس کے نان نفقہ کی ذمہ داری ڈالی تو یہی سب باتیں اللہ تعالیٰ نے بھی سامنے رکھی تھیں۔ کہ عورت ایک نازک وجود ہے۔ اور وہ یہ تین گنا پریشر برداشت نہیں کر سکتی۔ جب ہم خود اپنے اوپر یہ بوجھ لادتے ہیں اور خود اپنا قدم ملازمت کے لیے باہر رکھتے ہیں تو کیا ہم اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے ہیں؟

جب خدا نے ہی ہمیں اس قابل نہیں سمجھا کہ اتنا بڑا بوجھ اس نازک کندھے پر رکھا جائے تو جب ہم بذات خود اس بوجھ کو اٹھاتے ہیں تو ہم قانون قدرت کی خلاف ورزی کرتے ہیں۔ اور پھر سزا کے طور پر یہ چیزیں برداشت کرتے ہیں۔ یہ طنز' یہ گھر کی بربادی' اپنے بچوں کی دیکھ بھال سے ہاتھ اٹھانا۔ ٹھیک ہے ایک عورت کو مجبوری ہو سکتی ہے لیکن اس مجبوری کو پورا کرنا دفتر ہی سے تو ضروری نہیں .... وہ اپنی روزی کو گھر میں بھی کما سکتی ہے اور آج کل ذرائع اس قدر وسیع ہو چکے ہیں مثلاً مشین خریدی جا سکتی ہے اور اس طرح کی اور کئی چیزیں ہیں جن کو ذکر کرنے کا یہاں وقت نہیں کہ گنوا سکوں۔ اس طرح وہ اپنے گھر میں بیٹھ کر کام کرے گی تو اپنے بچوں کی نگرانی بھی کرے گی اس طرح وہ ایک نسل کو برباد ہونے سے بچائے گی اور دنیا کی ہوس ناک نظروں سے اپنے آپ کو بچائے گی اور حدیث کے مطابق اپنے شوہر کے پیچھے چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے اپنے گھر بار اپنے شوہر کے مال اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے گی۔ تو کیا یہ بہتر ہے کہ عزت کے ساتھ گھر بیٹھیں یا دفتروں میں دھکے کھائے؟ آپ اس میں سے کس کو بہتر سمجھتی ہیں؟

نزہت فردوس: آپ نے بڑی اچھی باتیں کہی ہیں۔ میں نے نہ ملازمت کی حمایت کی ہے اور نہ مخالفت میں نے آپ کو معاشرے کی ایک حالت اور جن حالات میں عورت کو ملازمت کرنا پڑتی ہے اور جو اس کے ساتھ بیتتی ہے وہ عرض کیا ہے۔ لیکن آج اگر ہر عورت گھر میں بیٹھ جائے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو تو یہ ناممکن سا ہے کیونکہ آپ کا معاشرہ اسلامی نہیں ہے بلکہ مغرب زدہ ہے اور مغرب زدہ معاشرہ میں۔

بشریٰ ہاشمی: میرا خیال ہے کہ آج سے ڈیڑھ سو سال پہلے بھی ہندوستان کا معاشرہ اس سے بھی گیا گذرا تھا اور یہ بھی نہیں تھا کہ غربت نہیں تھی ہندو اور انگریز کا مقابلہ تھا۔ مسلمان معاشی طور پر بدحال تھے اور ذہنی طور پر

بھی اپنے آپ کو پسماندہ محسوس کرتے تھے لیکن کیا اس زمانے میں عورت کو ضرورت نہیں پڑی کہ وہ گھر سے باہر قدم نکالے اور اپنے مرد کی معاشی پریشانیوں میں حصہ لے۔ میرے خیال میں وہ زمانہ اس بات کا زیادہ تقاضا کرتا تھا کہ عورت باہر نکل کر مرد کا ہاتھ بٹائے۔ تو جب اس زمانے میں مردوں نے بوجھ اٹھا لیا تو اب ہم کیوں خواہ مخواہ اپنی خدمات پیش کریں کیا مرد اب اتنا ہی کمزور ہو گیا ہے کہ اسے عورت کے نازک بازوؤں کا سہارا چاہیئے؟

نزہت فردوس: بات تو آپ بہت خوبصورت کر رہی ہیں لیکن کسی بھی دور میں مرد عورت کی مدد سے بے نیاز نہیں رہا۔ آج بھی آپ گاؤں میں نکل جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ عورت گھریلو انڈسٹری کے ذریعے سے مرد کی مدد کر رہی ہے اور پہلے وقتوں میں بھی عورت ایسا کرتی رہی ہے... اور کچھ نہ ہو تو کھیتوں میں مرد کے لیے کھانا لے جاتی ہیں اور کھیت میں تھوڑا بہت کام جو وہ کر سکتی ہیں اس سے ان کی مدد کرتی ہیں۔ جن وقتوں کی آپ بات کر رہی ہیں اس وقت انسان میں قناعت پسندی بھی تھوڑا بہت جو کچھ مل جاتا تھا اس پر وہ صبر کرتا تھا اسی پر گذر اوقات کر لیتا اور اللہ کا شکر ادا کرتا۔

بشریٰ ہاشمی: تو اس وقت قناعت کیوں نہیں کی جا سکتی؟

نزہت فردوس: اس وقت تو دولت کی ایک دوڑ لگی ہوئی ہے نا! اور مادہ پرستانہ نکتہ نظر ہماری معاشرتی زندگی میں سرایت کر چکا ہے اور ہمارے معاشرہ میں مغربی اقدار کی تقلید کا شوق ہمیں اس طرف دوڑا رہا ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ ہم چاہتے کہ کام تھوڑا کریں اور پیسہ زیادہ لیں اس طرح اپنا سٹیٹس بلند کریں چاہے ہم سماجی طور پر کتنے ہی نیچے چلے جائیں لیکن ہر آسانی ہمارے پاس موجود ہونی چاہیئے۔ یہ تو آسائش کی ایک دوڑ ہے اسے ہم اسلام کا کوئی حصہ تصور نہیں کرتے۔ آج بھی اگر اسلامی معاشرہ قائم ہوتا ہے تو میں سب سے پہلا شخص ہوں گی جو اس کی طرف دوڑ پڑوں گی

سنہری ہاشمی: میں آپ کی بات سمجھ رہی ہوں لیکن بجائے اس کے کہ ہم بھی اس دوڑ میں شریک ہو جائیں بہتر یہ ہے کہ ہم کیوں نہ قناعت پسندی کو اپنائیں تاکہ کم از کم اسلامی اصولوں کی خلاف ورزی نہ ہو۔ کیونکہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ اپنے آپ پر زندگی کی آسائش حرام کر لو لیکن یہ ضرور کہتا ہے کہ ان آسائشوں کے حصول کے لیے اپنے آپ کو دیوانہ نہ کر دو۔ آپ جب اس آسائش کو حاصل کرنے کے لیے دفتر جائیں گی تو لازماً آپ کے بچے آپ کی تربیت سے محروم ہو جائیں گے۔ تو کیا اچھا ہو کہ آپ۔ کیا اپنے بچوں کو مد نظر رکھنا بھی تو ضروری ہے

نزہت فردوس: میں یہ سمجھتی ہوں جہاں میں کام کرتی ہوں اور میرے ساتھ بہت سی لڑکیاں کام کرتی ہیں ان میں سے پانچ پانچ بھی اگر میرے ساتھ بیٹھی ہیں تو میں نے چار پانچ خاندانوں کو اس دوڑ سے بچا لیا ہے۔

خورشید النساء: میں بھی ایک ملازمہ ہوں لیکن میرا کامل یقین ہے کہ المرأة راعية على بيت زوجها وولده وهي مسئولة عورت کا دائرہ عمل گھر اور اپنے بچوں کی دیکھ بھال ہے۔ اور اسی کے متعلق اس سے باز پرس ہو گی۔ سروس کے دوران میں نے بیشتر بچوں والی ٹیچرز کو دیکھا ہے حالانکہ یہ بہت باعزت مقام ہے جیسا کہ محترمہ زینب کاکاخیل نے فرمایا کہ ٹیچرز اور لیڈی ڈاکٹر ایسی ملازمتیں ہیں جہاں صرف عورت ہی جچتی ہے اس کے باوجود میری شناسا مسز زیدی کہتی ہیں کہ جب صبح وہ آتی ہیں تو اپنے بچوں کو جس حالت میں روتا بلکتا چھوڑ آتی ہیں جب بچے کو ہوش آجاتا ہے تو وہ کہتا ہے امی کہاں گئیں ہائے دل نہیں جاتا۔ وہ کہتی ہیں تانگے میں اور سکول میں بیٹھ کر پڑھاتے ہوئے بھی بچے کی آواز کانوں میں گونجتی رہتی ہے۔ امی کول نہیں جانا امی کول نہیں جانا۔

تو اس وقت خود تڑپتی ہیں اور بچے کو اس حال میں چھوڑ کر سکول آتی ہے اور کہتی ہیں ہمارے ملازمت کرنے سے بچے دودھ پی لینے پر پلے اور دودھ ان کو خوب مل جاتا ہے۔

لیکن میں نے ان سے کہا جو ماں گھر میں بیٹھی ہے جو کچھ خاوند لا رہا ہے اس کے مطابق اپنے اخراجات رکھے ہوئے ہے وہ جو بچوں کو پیار اور تربیت دیتی ہے کیا آپ کی دولت بچوں کو وہ چیز (پیار اور تربیت) مہیا کرتی ہے؟ اس میں سب لاجواب ہیں اور کہتی ہیں یہ مانا

ہمارے روپوں کے بدلے ان کو ہرگز نہیں ملتی۔ کپڑے شاندار ملتے ہیں پھل ملتا ہے کار ملتی ہے لیکن ماں کا پیار اور ماں کی تربیت نہیں ملتی اس حقیقت کو ہمیں ماننا پڑے گا کہ عورت اگر گھر سے باہر رہے تو وقت وہی چوبیس گھنٹے کا رہے گا وقت تو لمبا نہیں ہوگا۔ اسی وقت میں ہم نے آٹھ گھنٹے دفتر میں کام کرنا ہوگا۔ ہمارا گھر بند پڑا ہے۔ چلو صاحب استطاعت کے پاس ملازمہ ہے جو صاحب استطاعت نہیں ہے ان نے آکر اپنے گھر میں جھاڑو دینے ہیں، برتن دھونے ہیں بچوں کو نہلانا ہے ان کے کپڑے دھونے ہیں۔ یہ ہمارے کام کا خاتمہ نہیں ملتا اکثر اگر زیادہ بچے اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں تو ان کی صحیح تربیت نہیں ہوتی کیونکہ آٹھ گھنٹے ہم وہاں خرچ کر آئے ہیں دو گھنٹے ہمیں ریسٹ کے چاہئیں اور دفتر جانے کے وقت اٹھا سیدھا ان کو دانٹ دیتے ہیں، ہر ملازمہ کا اعتراف ہے اور اگر خاوند بیوی دونوں ملازم ہیں تو ادھر وہ تھکا ہوا آتا ہے ادھر سے بیوی تھکی ماندی آتی ہے ایسے ہی بچے سکول سے تھکے ماندے آتے ہیں۔ اگر دودھ پیتا بچہ ہے تو ماں کی شکل کو ترس جاتا ہے۔ بیچارا جب ماں آتی ہے تو تڑپ کر دوڑتا ہوا ماں سے لپٹ جاتا ہے۔ وہ چاہے تو اسے اٹھا لیتی ہے ورنہ اسے دھکا دے کر پیچھے ہٹا دیتی ہے اور کہتی ہے آرام تو کرنے دو۔ یہ حال تو ملازمت پیشہ عورت کا ہے۔ عورت کے لیے سب سے بڑی ملازمت اس کا گھر اور بچے ہیں۔ یہ اس کا پیشہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملا ہے اگر اس کا خاوند مجبور ہے معذور ہے کما نہیں سکتا یا ضروریات زندگی پوری نہیں ہوتیں اس کی کمائی میں تو اس کی کفالت کے لیے عورت اس کی مدد کرے لیکن اس کے ذرائع گھر میں بیٹھ کر کرنے کے بے شمار ہیں۔ گھر میں بچوں کو محبت و شفقت بھی مل سکتی ہے۔ لیکن ملازمت تو سوائے ان جگہوں کے سکول کالج جو صرف خواتین کے لیے ہوں اور لیڈی ڈاکٹرز ایسے ہسپتالوں میں جہاں صرف خواتین ہوں اس کے علاوہ بھی اگر کہیں کام کرنا پڑے تو وہ ایسی جگہ ہو جہاں صرف عورتیں کام کرتی ہوں۔ جس طرح نزہت فردوس صاحبہ نے فرمایا کہ اپنے آپ کو کنٹرول کیا جائے تو میں بڑے ادب سے عرض کرتی ہوں کہ میں بڑے عرصے سے باہر نکل رہی ہوں اور ملازمت کر رہی ہوں میں نے صرف آپ کو اور آپ کے علاوہ چند خواتین کو ایسا پایا ہے ورنہ عام حالت وہی ہے جو بشریٰ ہاشمی

اور بیگم عبدالسلام صاحبہ نے کہا ہے۔ یہ عموماً دیکھنے میں آتا ہے اور بیشتر مثالیں میرے پاس بھی موجود ہیں۔ ہر لڑکی اور عورت اگر آپ کی طرح ہو جائے تو آئے دن کی خرابیاں ختم ہو جائیں اور لاشعوری طور پر عورتیں جوان مصیبتوں میں گرفتار ہوتی ہیں اور بسا اوقات اپنا ذہنی توازن بھی کھو بیٹھتی ہیں۔ مخلوط تعلیم یا مخلوط ملازمت کی وجہ سے۔ تو سب تو جنت فردوس بن جائیں یہ ناممکن ہے۔ لہٰذا جزو کو کل پر محمول نہیں کر سکتے۔ یہ قرآن کا بھی اصول ہے حدیث کا بھی اور منطق کا بھی۔

کئی آوازیں: یہ بالکل حقیقت ہے سب اس سے متفق ہیں۔

خورشید النساء: میں ناز عزیز صاحبہ سے گذارش کرتی ہوں کہ چونکہ یہ بھی ملازمت کرتی ہیں اپنے تجربات سے آگاہ کریں۔

ناز عزیز: میں بھی مرد سٹاف کے ساتھ کام کرتی ہوں لیکن اس نتیجہ پر پہنچی ہوں کہ عورت اگر کفایت شعاری سے کام لے اور صبر سے اپنے گھر میں بیٹھ جائے تو اس سے روپیہ کی ضرورت ہی نہیں پڑتی جتنا مرد کما کے لائے اسی میں کفایت شعاری سے گذارا کی جائے اور مرد کو پریشان نہ کرے تو باہر نکلنے کی نوبت آتی ہی نہیں بس میں تو یہی کہنا چاہتی ہوں۔

خورشید النساء: یہ حقیقت ہے کہ ہم آرائش اور زیبائش کے لیے روپے کے پیچھے دوڑتی ہیں۔

بشریٰ ہاشمی: یہ جو آپ فرماتی ہیں کہ عورت ڈاکٹر بنے اور استاد بنے تو وہ بھی تو گھر سے نکلے گی اس کے لیے کیا الگ قوانین بنائے جائیں گے؟

خورشید النساء: محترمہ معاف کیجیے گا ہم نے پہلے ہی گذارش کی ہے کہ وہ شعبے جن میں عورتیں کام کریں گی وہ خالصۃً عورتوں کے ہوں گے مثلاً لڑکیوں کو پڑھانے کے لیے تو عورتیں ہی درکار ہوں گی۔ عورتوں کے مخصوص نسوانی امراض کے لیے عورت ہی ڈاکٹر ہو گی۔

زبیدہ واصل: میرا خیال ہے اب اس موضوع کو سمیٹ دیا جائے کیونکہ دوسرے نکات پر بھی گفتگو کرنا ہے۔ آخری بات جو میں کہوں گی وہ یہ کہ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ملازمت کو بطور پیشے کے نہ اپنایا جائے بلکہ مجبوری کے تحت اگر کسی کو کرنا پڑے تو ملازمت

کی بھی گنجائش ہے اور گھر میں بیٹھ کر کام کرنے کی بھی گنجائش ہے اسلام نے کسی چیز سے بھی منع نہیں کیا ہے۔ یہ جو شور و غوغا اٹھ رہا ہے کہ ملازمت ہمارا حق ہے جو ہمیں دلایا جائے تو یہ حق نہیں ہے یہ ایک مصیبت ہے جو ہمارے سر پر ڈالی جا رہی ہے۔ اور مغرب کی سازش ہے کہ وہاں کی طرح یہاں کی عورت کو بھی بے کار کر کے ... دیا جائے اس کو بھی کھینچ کے باہر لایا جائے اور اس کو گڑیا بنا کر بازار میں چھوڑ دیا جائے۔ ہم صرف اس کے خلاف ہیں ہم اس کے خلاف نہیں ہیں کہ اگر ضرورت پڑے تو وہ ملازمت نہ کرے یا اس کے بچے بھوکے مر رہے ہوں اور وہ دیکھتی رہے یا مرد معذور ہے تو وہ دیکھتی رہے مسئلہ یہ نہیں ہے مسئلہ یہ ہے کہ ملازمت عورت کا حق نہیں ہے بلکہ یہ تو ایک مصیبت ہے۔ اس بات پر سب متفق ہیں کہ ذہنی پریشانی ہے۔

خورشید النساء: یہ تو مردوں نے ہمیں بے وقوف بنایا ہوا ہے وہ تو ایک کام کریں اور ہم بیسیوں کام بھی کریں نوکری کریں ان کے ساتھ، بچے پیدا کریں، ان کی پرورش کریں، کپڑے دھوئیں برتن دھوئیں آٹا گوندھیں روٹی پکائیں اور صاحب کی شلوار میں کمربند بھی ڈال دیں۔

زبیدہ واصل: صاحب بہادر کی خدمت کریں، گھر ان کو سجا دیں، بستر بھی لگا دیں یہ سب مردوں کی سازش ہے اور عورتیں اس کو سمجھ نہیں رہیں۔ وہ اس کو اپنا حق سمجھ رہی ہیں۔ لہٰذا اس بات پر ہم سب متفق ہیں اب اس موضوع کو ختم کر دیا جائے اور دوسرا موضوع لیا جائے۔

خورشید النساء: اب میں بشریٰ ہاشمی صاحبہ سے گذارش کروں گی کہ وہ مخلوط تعلیم کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار فرمائیں۔

بشریٰ ہاشمی: آپ نے مجھے مخلوط تعلیم پر اظہار خیال کرنے کو کہا ہے لیکن مخلوط تعلیم کا ذکر سن کر جو الفاظ میرے ذہن میں گونجتے ہیں۔ ایسے میں خیالات کا نام ہرگز نہیں دے سکتی کیونکہ یہ تو ایک بالعنت ہمارے ملک میں امپورٹ (درآمد) کی گئی ہے جس کو میں ذرا بھی رعایت نہیں دے سکتی یہ نہیں سوچ سکتی کہ یہاں بہت سے ایسے بڑے بڑے لوگ بھی موجود ہوں گے جنہوں نے مخلوط تعلیم کے اداروں میں تعلیم پائی ہو گی اس لیے کہ بچپن سے اب تک میری جو ذہنی تربیت ہوئی اپنا تجربہ آپ کو کیوں نہ بتاؤں کہ میں نے کبھی کسی سکول، کالج یا تعلیمی ادارے میں نہیں پڑھا میں نے ہمیشہ گھر پر پڑھا، پرائیویٹ امتحان دے کر کسی نہ کسی طرح پاس

ہوتی رہی۔ تو اس ماحول کے اندر رہ ... آپ ... سے مخلوط تعلیم کے بارے میں پوچھ رہی ہیں۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ کوئی بھی مسلمان مرد یا عورت جن کے ذہن میں اسلام کی ذرا سی بھی رمق ہوگی اسلام کا ذرا سا بھی دھیان ہوگا وہ اس کو پسند کرے گا کسی بھی حیثیت سے۔ اور یہ تو ایک اجنبی چیز ہے ہمارے ہاں آج سے ڈیڑھ سو سال قبل اس کا تصور تک بھی نہیں تھا حالانکہ اس وقت بھی ہمارا معاشرہ تمام تر اسلامی معاشرہ نہیں تھا۔ ثقافت مضبوط تھی اپنی جگہ پر۔ ثقافت اتنی مضبوط تھی کہ اسلام نہ ہوتے ہوئے بھی اس چیز کو برداشت نہیں کیا جاتا تھا۔ یہ اوائل بیسویں صدی کی بات ہے کہ یہ مخلوط تعلیم کا سلسلہ ہندوستان میں شروع ہوا اس کا جو نتیجہ چند ہی سال بعد ہمارے سامنے آیا وہ کسی طرح بھی حوصلہ افزا نہ تھا۔ اک نسل ہمارے سامنے کھڑی تھی جسے ہم بے لگام کہتے ہیں عورتوں کی وہ نسل تھی جس نے سب سے پہلے مردوں کے ساتھ شانہ بشانہ کام کرنے کا نعرہ لگایا اور ان سے وہ تمام حرکات سرزد ہوئیں جو برصغیر میں عورتوں کے لیے ممنوع تھیں۔ اور بالکل بجا ممنوع تھیں کیونکہ وہ عورتوں کے کرنے کی چیزیں ہی نہیں تھی لیکن مخلوط تعلیم سے نکلی ہوئی نسل نے اسے نہ صرف جائز سمجھا بلکہ اپنا حق سمجھا۔ اسلام جس چیز کی اجازت نہیں دیتا اس کو ہم کسی طور پر بھی صحیح نہیں مان سکتے۔ ہم یہ دیکھیں کہ ظاہری طور پر تو یہ چیز دیگر قوموں کیلئے ترقی کا باعث بن رہی ہے لیکن اس کا آخر اور انجام یقیناً تباہ کن ہوگا۔ اس کا آخر چونکہ اسلام کی نظر میں تھا اس لیے اسلام نے اس کی اجازت نہیں دی ہم نے بہت سے لوگوں کو دیکھا ہے جو فخریہ انداز میں کہتے ہیں کہ ہم نے فلاں ادارے میں تعلیم پائی لیکن ایک وقت تو ایسا ہوگا جب اس کا منطقی غلط نتیجہ اس کے سامنے آئے گا۔ کیا یہاں موجود خواتین میں سے کسی کو بھی میری باتوں سے اختلاف ہو سکتا ہے؟ اور اگر ہے تو وہ ضرور بتائے میں انتظار کروں گی۔

بیگم کاکا خیل: آپ کی باتیں بالکل درست ہیں لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ جو لوگ مخلوط تعلیم کے حامی ہیں وہ اپنی بات پر اس قدر اڑے ہوئے ہیں۔ کہ کچھ اندازہ نہیں ابھی آپ نے اگلے دن بھی ایک حکومت کی عہدہ دار صاحبہ کا بیان پڑھا ہوگا جس میں انہوں نے

نے کہا کہ میں نہیں سمجھتی کہ خواتین کی الگ یونیورسٹی نہ ہونے سے کون سا نقصان ہو رہا ہے یعنی ان کے خیال میں مخلوط تعلیم میں کوئی نقصان ہی نہیں ہے اور پھر فرماتی ہیں کہ اتنا حکومت کے پاس پیسہ کب ہے کہ وہ ہر صوبے میں خواتین یونیورسٹی قائم کرے۔ حکومت کے پاس ان کے خیال میں ان کے ایئر کنڈیشنڈ گھر مہیا کرنے کے لیے پیسہ ہے اس پر لاکھوں کروڑوں روپیہ خرچ کرے اور اس کے پاس پیسہ ہے ان کے خیال میں کہ وہ آرٹسٹوں کو کروڑوں کا لاکھوں کا ایوارڈ دے لیکن ویمن یونیورسٹی پر جو خرچ ہوگا وہ ان کے خیال میں فضول خرچی ہے۔ اور اس اسلامی حکومت میں اور اس پاکستان میں وہ بڑی دیدہ دلیری سے کہتی ہیں افسوس ہے کہ کسی طرف سے شور و غوغا نہیں اٹھا ان کے خلاف۔

خورشید النساء بیگم: اگر کسی کے یہ الفاظ ہیں تو معذرت کے ساتھ ہمیں کہنا پڑے گا کہ ان کو خدا اور رسول سے دور کا بھی واسطہ نہیں سب سے پہلی بات کہ خدا اور رسول کے نزدیک مخلوط تعلیم کی اجازت نہیں ہے۔ ہم مسلمان ہو کر جو چیز خدا اور رسول کے احکام کے خلاف ہے اسے ہرگز روا نہیں سمجھ سکتے۔ یہ حکم ہے کہ گھر میں جو مرد سن شعور کو پہنچ جائے اس سے احتیاط لازم ہے۔ چہ جائے کہ کلاس روم میں تو نوجوان لڑکی اور لڑکے گھنٹوں اکٹھے بیٹھے رہتے بقول بیگم کا کاخیل صاحبہ حکومت کے پاس بہت سی چیزوں کے لیے پیسہ ہے مگر افسوس ایک دینی فریضہ اور دینی حکم کی خاطر ایک اسلامی حکومت کو پیسہ نہیں ملتا۔ مخلوط تعلیم سے چھٹکارا اتنی ہی ضروری چیزیں ہیں میرے خیال میں کوئی بھی عورت یا لڑکی علیحدہ یونیورسٹی کے خلاف نہیں ہوگی۔ اور ایسی خواتین سے جو اس قسم کے بیانات جاری کرتی ہیں ہماری گذارش ہے کہ اگر ان کا اسلامی اقدار سے . . . کوئی واسطہ نہیں اور اسلامی ذہن رکھنے والوں کے متعلق انہیں کوئی اندازہ نہیں تو وہ خاموش رہیں تو زیادہ بہتر ہے اور ایسا اعلان جس کی خواتین میں کوئی بھی تائید نہ کرے نہ کیا کریں اس سے پہلے پردے کے بارے میں وہ جو کچھ فرما چکی ہیں اس کا اثر اب تک ہمارے ذہنوں میں موجود ہے۔

نزہت فردوس: وہ مسلمان خواتین کی نمائندگی یا ترجمانی نہیں کرتیں۔

خورشید النساء: یہ خیال نزہت صاحبہ کا ٹھیک ہے کہ وہ بیان دینے سے پہلے یہ سوچ لیا کریں کہ آیا وہ مسلمان خواتین کی نمائندگی کر رہی ہیں یا اپنا ذاتی خیال بیان کر رہی یا یورپ اور امریکہ

کی خاتون نمائندہ ہیں۔

نزہت فردوس: میرے خیال میں وہ ملازم ہیں اور انہیں ملازم ہی رہنا چاہیے اور ملازمین کے حقوق کے بارے میں تو بیان دیں لیکن نمائندہ خواتین ہونے کا ہم انہیں کوئی حق نہیں دیتے اور خصوصاً مسلمان خواتین کی نمائندہ وہ ہرگز نہیں کہلا سکتیں۔

بیگم واصل صاحبہ: قرآنی فیصلہ کے مطابق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اول تو حکم تو یہ ہے: وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی۔ گھر میں ٹکی رہو اور جاہلیۃ کے قاعدے کے مطابق بناؤ سنگھار کر کے مت چلو اور اگر نکلنا پڑا تو فرمایا یغضضن من ابصارھن عورتیں اپنی نگاہیں نیچی رکھیں پھر نماز جیسے فرض جیسی چیز جس کے لیے صحابیات کی خواہش ہوا کرتی تھی کہ مسجد میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھیں۔ حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسا جری انسان جو عورتوں کے نکلنے کو کسی طرح پسند نہیں کرتا تھا۔ لیکن وہ اپنی زوجہ محترمہ کو روک نہیں سکتے تھے یعنی ان کی غیرت یہ بھی گوارا نہ کرتی تھی کہ میری بیوی گھر سے نکلے اور چونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تھا کہ اللہ کی بندیوں کو اللہ کے گھر میں آنے سے نہ روکو اس لیے وہ روک بھی نہ سکتے تھے لیکن اپنی بیوی کو سخت سست کہتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ آپ کی بیوی نے کہا کہ تم مجھے حکم دے دو کہ میں مسجد میں نہ جاؤں اگر ایسا کر سکتے ہو تو کرو پھر میں دیکھوں گی پھر نبی کریم نے عورتوں سے فرمایا کہ ایک طرف ہو کر چلا کریں۔ اس کے بعد عورتیں دیواروں کے ساتھ لگ کر چلنے لگیں یہاں تک کہ بعض کے کپڑے دیواروں سے گھس جاتے تھے۔ پھر نبی کریم نے فرمایا میرا دل چاہتا ہے کہ یہ دروازہ عورتوں کے لیے مخصوص کر دوں تو صحابہ کرام نے اس دن کے بعد اس دروازہ سے گذرنا بند کر دیا اور وہ دروازہ صرف عورتوں کے لیے مخصوص ہو گیا اور آج تک وہ باب النساء موجود ہے۔ چنانچہ یہی دلیل ہے کہ عورتوں اور مردوں کے درمیان حد فاصل ہونی چاہیئے قرآن میں ہے کہ اے عورتوں تم بات کرو تو نرم آواز سے بات نہ کرو ایسا نہ ہو کہ کوئی تم سے کوئی امید وابستہ کر بیٹھے۔ اسلام کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ بنیاد پر پابندی لگاتا ہے وہ ایسا نہیں کرتا کہ مرض

جب انتہا پر پہنچ جائے اور لا علاج ہو جائے اس وقت علاج کیا جائے اسلام نے ایک حد فاصل قائم کر دی ہے کہ یہاں اگر تم آگے بڑھو گے تو لازماً تمہارے اندر اخلاقی بیماریاں اور خرابیاں گھس آئیں گی۔ جیسا کہ ابھی بشریٰ ہاشمی نے مثال دی کہ برصغیر میں انگریزی عمل دخل کے بعد بھی اگرچہ معاشرتی اقدار مکمل طور پر اسلامی نہ تھیں لیکن اختلاط مرد و زن نہ تھا تو حالت اس قدر خراب نہ تھی جس قدر اب ہے۔

رہا مسئلہ خواتین یونیورسٹی کے لیئے روپے کی کمی کا تو یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ ہمارے ملک میں روپیہ پانی کی طرح بہہ رہا ہے لیکن اگر بالفرض ایسا ہے تو صدر صاحب آج خواتین یونیورسٹی کا اعلان کریں ہم اپنے زیور بیچ کر اس کی عمارات اور زمین مہیا کر دیں گے۔

خورشید النساء صاحبہ: اب تم عورت کی گواہی کے بارے میں گفتگو کریں گے۔

بیگم عہد السلام: یہ قصاص، دیت اور شہادت تو ایسے موضوع ہیں جن پر ہم کو بولنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ اس لیے نہ تو مذاکرے نہ مباحثے نہ ایسے جلوس ہو سکتے ہیں یہ علماء کا کام ہے اور اس پر علمی انداز میں بات ہونی چاہیئے۔ ہمیں جو کچھ قرآن و سنت تعامل صحابہ اور فقہاء امت نے دیا ہے اسی پر قناعت کرنی چاہیئے اور اس کے علاوہ کوئی اونچا مرتبہ ہمارے لیے ہو بھی نہیں سکتا۔ ہم تو اس پر مطمئن ہیں۔ رہا یہ سوال کہ کچھ لوگوں نے اس مسئلہ کو اس طرح سے اٹھایا ہے کہ یہ عورت کی توہین ہے اور مرد کی عزت ہے یہ تو انداز ہی غلط ہے ہمارے یہاں پوری اسلامی تاریخ میں چاہے کتنی بھی خرابیاں آ گئی ہوں لیکن یہ خرابی اللہ کے فضل سے آج تک کسی عالم دین کے اندر نہیں آئی ہے کہ وہ مذہبی مسائل کو عورت اور مرد کے نقطہ نظر سے دیکھے یہ صنفی تعصب ہمارے یہاں قطعاً نہیں ہے اور ہمیں اپنے علماء پر پورا اعتماد کرنا چاہیے رہی یہ بات کہ کوئی ایسا مسئلہ ہو جس پر اجتہاد کیا جائے تو جو اجتہاد کے لائق ہیں وہ اجتہاد کریں یہ نہیں کہ جن کو کوئی علم نہیں ہے وہ بیٹھ کر اس میں کوئی مباحثہ کریں یا اس پر کوئی رائے زنی کریں یا اس کے خلاف کوئی جلوس نکالیں۔ یہ دراصل اسلامی اصولوں سے ناواقفیت ہے۔

خورشید النساء: اب جناب بیگم واصل صاحبہ اس موضوع پر اپنے خیالات سے نوازیں گی۔

بیگم واصل صاحبہ: سب سے بڑی بات یہ ہے جیسا کہ بیگم عبد السلام صاحبہ نے ارشاد فرمایا کہ جو کام علماء کے کرنے کے ہیں یا جن کا فیصلہ ہو چکا ہے ان میں ہر شخص اٹھ کے رائے دے رہا ہے یہ ہرگز قابل قبول نہیں ہے جب میڈیکل کے معاملہ میں صرف ڈاکٹر اور انجینئرنگ کے معاملہ میں صرف انجینئر ہی بات کر سکتا ہے تو قرآن او سنت کو ہم نے کیوں کھلونا بنا رکھا ہے جو بھی اٹھتا ہے وہ رائے زنی کرنے لگ جاتا ہے ۔ رہا اعتراضات کا جواب تو دو تین باتیں میرے ذہن میں ہیں میں انہیں پر اکتفا کروں گی ۔ ایک تو یہ ہے کہ یہ جو شہادت کے معاملے کو لے اٹھیں ہیں ہماری خواتین آپ دیکھئے کہ سمن آتا ہے کسی مرد کے نام تو اس کو قبول کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے کہ عدالتوں کے چکر کون کاٹے اور عورت کا عدالت میں جانا اور وہاں کا ماحول اور جس طریقے سے وکیل گواہ پر جرح کرتے ہیں اور جیسا جیسا سلوک وہاں پر ہوتا ہے تو دراصل صرف اسلام نے عورت کو ان چیزوں سے بچانے کے لیے اس کو شہادت سے مستثنیٰ کیا ہے اور یہ ایک اضافی ذمہ داری اس پہ نہیں ڈالی یہ نہیں کہ ہمارا حق چھین لیا ہے ۔ اور اگر عورت عدالت کے چکر بھی کاٹنے لگی تو پھر گھر کا تو خدا ہی حافظ ہے جہاں بھی اسلام نے مرد اور عورت کے درمیان کوئی حد فاصل مقرر کی ہے ۔ اس کا مقصد صرف اور صرف عورت کی تکریم ہے ۔ گھر کے سکون کو قائم رکھنا ہے ۔ اسلام کی نگاہ میں مرد اور عورت ایک ہی معاشرہ کے برابر کے حقوق رکھنے والے دو فرد ہیں اور جو کام جس کے لائق ہے اسلام نے اس کے حوالے کیا ہے ۔ اس سلسلے میں ایک مثال عرض کرتی ہوں کہ ایم آر ڈی کے ایک وکیل میں انہوں نے بیان دیا تھا کہ میں بارہ سال سے وکالت کر رہا ہوں اور آج تک ایک عورت بھی گواہی کے لیے نہیں آئی ۔ خواہ مخواہ شور مچانا اس کے لئے جس کا کوئی وجود ہی نہیں دیت کے بارے میں میں عرض کرتی چلوں کہ میں ان حضرات سے پوچھتی ہوں جن کو نصف دیت پر اعتراض ہے ۔ کہ ایک حدیث ہے ۔ کہ حدیں مسجد میں قائم نہ کی جائیں اگر والد بیٹے کو قتل کرے تو قصاص نہیں اور بیٹا والد کو قتل کرے تو قصاص ہے ۔ اب تو مردوں کو بھی شور مچانا چاہیئے کہ ہائے ہائے ہم سے قصاص کا حق چھین لیا گیا ہے ۔

اگر باپ بیٹے کو قتل کر دے گا تو قصاص کہاں گیا یہ ترمذی اور ابو داؤد دونوں میں ہے اور حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے۔ تو اس لیے یہ معاملہ تو بالکل ختم ہو جاتا ہے۔ نہ دنیا میں کوئی اس کی نظیر ہے نہ یہ کوئی معاملہ یہ وہی حضرت کی شہہ پر یہ معاملہ اٹھایا جا رہا ہے ہمارے اندر انتشار پیدا کرنے کے لیے قرآن و سنت کا جو فیصلہ ہے دنیا اسے حق تلفی کہتی ہے تو کہتی رہے ہم اسے اپنی خوش بختی سمجھتیں ہیں۔

خورشید النساء: گواہی کا حق ہمیں خدا نے دیا ہے جہاں دیا ہے۔ اور جس طرح دیا ہے وہ جاری ہے۔ جہاں ہے کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو۔ ایک مرد اور دو عورتیں ہوں وہ ہے کاروباری سلسلہ میں تجارت میں یہاں ظاہر ہے۔ کہ کاروبار سے عورت کو اتنا سروکار نہیں رہتا جتنا مرد کو رہتا ہے۔ تو اللہ نے شرط لگائی کہ اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں لینی ہیں یہ بھی ہماری عزت افزائی ہے۔ ہم کہاں کاروبار کے سلسلہ میں اتنی معلومات رکھتی ہیں۔ بلکہ بیشتر واقعات اور احادیث ایسی ملتی جہاں عورت اور صرف عورت کی گواہی مانی گئی ہے۔

اسی طرح لعان میں عورت اور مرد کی بات کو برابر سمجھا گیا ہے۔ اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں عقبہ بن حارث اور ان کی بیوی کے بارے میں ایک لونڈی نے گواہی دی تھی۔ کہ ان دونوں کو میں نے دودھ پلایا تھا تو حضور نے کسی مرد کی گواہی طلب نہیں کی اور صرف لونڈی کی گواہی پر دونوں کا نکاح توڑ دیا۔ اب یہاں کہاں ایک مرد اور دو عورتیں ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں جب عورتیں نماز کے لئے جایا کرتی تھیں تو کسی نے ایک عورت کے ساتھ منہ اندھیرے جب زیادتی کی اس نے چیخنا شروع کیا تو وہاں سے ایک مرد گذر رہا تھا۔ تو اس نے کہا وہ بھاگا جا رہا ہے وہ اس کے پیچھے بھاگا پکڑنے کے لئے اتنے میں اور لوگ آگئے ان کو بھی اس نے وہی بات کی وہ جب بھاگے تو دوسرے آدمی کو پکڑ لائے اور اس عورت نے کہہ دیا کہ ہاں یہی شخص ہے۔ تو آپ نے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دے دیا تو یہاں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک عورت کی گواہی پر فیصلہ کیا تھا۔ اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زمانے میں۔ ایک مرد کسی گھر میں لڑکی بن کر رہا اور موقع پا کر صاحب

خانہ کی لڑکی سے زیادتی کی تو اس لڑکی نے اس مرد کو قتل کر دیا حضرت عمرؓ تک جب یہ بات پہنچی تو بنفس نفیس اس لڑکی کے پاس آئے اور بچی کے باپ سے کہا کہ میں خود اس سے بات کرنا چاہتا ہوں جب آپ کو لڑکی نے تمام ماجرا کہہ سنایا تو حضرت عمرؓ نے اس کو قصاص میں قتل نہیں کروایا بلکہ اس کو معاف کر دیا۔ تو دیکھئے یہاں ایک عورت کی گواہی پر قصاص معطل کر دیا گیا ہے۔ البتہ بیگم واصل صاحبہ نے جو فرمایا کہ احتراماً عورت کو اس بکھیڑے سے دور رکھا گیا ہے تو یہ درست ہے۔

بیگم واصل صاحبہ: یہ تمام دلائل ہم ان مغرب کی پجارنوں کو دے چکے ہیں۔ لیکن وہ جب نہ ماننے کی قسم کھا چکیں ہیں تو کون سمجھائے۔

خورشید النساء: شکریہ آپ بجا فرماتی ہیں۔ اس کے ساتھ قرائن قاطعہ کے ساتھ عورت کی گواہی کو بھی مانا جاتا اس کا حق بنتا ہے رہا قصاص اور دیت کا معاملہ قصاص میں تو علماء کا اختلاف نہیں البتہ دیت میں اختلاف ہے۔ اور مجھے معاف کیجئے کہ میں اس معاملہ میں مختلف نقطۂ نظر رکھتی ہوں اس مسئلہ پر اجماع میں بھی اختلاف رہا ہے اور بیشتر احادیث ایسی ہیں جن میں دیت بطور حکم عمومی کے بیان ہوئی ہے۔ قرآن میں بھی حکم عمومی ہے۔ اس میں مرد یا عورت کی تخصیص نہیں ہے۔ قرآن کا اصول ہے کہ وہ جو بھی حکم دیتا ہے وہ مذکر کا صیغہ استعمال کرتا ہے یایہا الذین آمنوا کہہ کر احکام بیان کرتا ہے۔ اور ان میں عورتیں اور مرد بھی شامل ہوتے ہیں۔ ابن مسعود کی روایت میں ہے۔ کہ سو اونٹ دیت خطا ہیں.. یہاں مرد اور عورت کی تخصیص نہیں.......

زبیدہ واصل صاحبہ: آپ نے جب ہر ایک کے لیے پانچ منٹ مقرر کئے تو پھر خود اپنے لیے بھی تو پانچ منٹ پر اکتفا کیجئے تاکہ دوسرا نقطۂ نظر بھی سامنے آئے۔ غرض یہ ہے کہ قرآن میں حکم ہے۔ اطیعو اللہ و اطیعو الرسول۔ کلمہ کے دو جز ہیں لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ اللہ کی وحدانیت اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کا اقرار ہم قرآن کو اور سنت کے ذخیرے کو الگ الگ نہیں کر سکتے آقا کی حدیث ہے۔ کہ ترکت فیکم امرین کتاب اللہ و سنتی۔ میں تمہارے درمیان دو چیزیں... چھوڑ کر جا رہا ہوں

اللہ کی کتاب اور اپنی سنت ایک حدیث میں آپ کا ارشاد ہے۔ ما انا علیہ و اصحابی جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ ہیں اب آپ یہ دیکھئے کہ اول تو عورت کا قتل خطاء ہونا ہی کم ہے۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں ایک ایسا واقعہ آیا تھا۔ جب آپ کی خلافت کے محاسن بیان کرتا ہوں تو ہماری زبانیں سوکھ سوکھ جاتیں ہیں لیکن اگر انکا کوئی ایسا فیصلہ ہمارے سامنے آئے جو ہماری منشا کے خلاف ہو تو ہم پسند نہیں کرتی ہیں۔

خورشید النساء: نعوذ باللہ۔ معاف کیجیئے ایسا نہ کہئے۔ میں نے تو احادیث بیان کی ہیں۔ جن میں پوری دیت کا ذکر ہے۔

بیگم واصل صاحبہ: محترمہ میں یہاں تک تو آپ سے متفق ہوں کہ قرآن و حدیث میں مرد اور عورت کو مخاطب برابر کے لحاظ سے کیا گیا ہے۔ میں تو یہ اصول عرض کر رہی ہوں کہ جہاں قرآن اور سنت میں کوئی نظیر نہ ملے تو فرمایا کہ ما انا علیہ و اصحابی تو ہمیں حضورؐ کے صحابہ کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ تو حضرت عمرؓ نبی کریمؐ کے جلیل القدر صحابی ہیں خلیفہ راشد ہیں آپ نے عورت کی دیت آدھی دلوائی پھر حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ نے بھی اسی پر عمل کیا۔ ایک صحابی اس سے پہلے متفق نہ تھے لیکن بعد میں انہوں نے بھی رجوع کر لیا۔ حضرت ابوبکرؓ کے دور میں چونکہ کوئی ایسا واقعہ نہ ہوا اس لیے خلافت راشدہ کا تو کم از کم اس پر اجماع ہے تو پھر آج چودہ سو سال بعد یہ اختلاف کہاں سے آ گیا۔ یہ تو آپ بھی مانیں گی کہ آدھی دیت میں بھی عورت کی کوئی تحقیر نہیں ہے بلکہ کفالت اسلام میں مرد کے ذمہ ہے۔ اب اگر کوئی مرد مر رہے تو اسلامی معاشرتی اعتبار سے خاندان کا کفیل گیا اس لیے باقی خاندان کے لیے حرمت نفس کے ساتھ ساتھ کفالت کا بندوبست بھی ہو گیا لیکن عورت چونکہ اسلامی فلسفہ حیات میں کفیل نہیں اس لیے حرمت نفس کے طور پر پچاس اونٹ اس کے لیے بھی اسلام نے مقرر کئے۔ لیکن اگر کوئی عورت کفیل ہے۔ بھی تو یہ خال خال ہوتا اور اگر وہ ایسا کر رہی ہے۔ تو یہ اس کا شوق ہے۔ اسلام نے اس کو ایسا کرنے کے پابند نہیں کیا۔

آپ اپنے اوپر قیاس کر لیجئے کیا آپ مغرب کا معاشرہ پیدا کرنا چاہتی ہیں وہاں تو عورت برابر کی کفیل ہے آپ یہاں اسلامی معاشرہ قائم رکھنا چاہتی ہیں وہاں تو خون پانی کی طرح بہہ رہا ہے بچے بھی نالیوں میں بہہ رہے ہیں آٹھ طلاقیں مرد نے دی ہیں تو دس طلاقیں عورت نے دی ہیں۔ اگر تو وہ معاشرہ لانا ہے تو پھر آپ کی مرضی لیکن کیا پاکستانی معاشرہ میں جو مکمل طور پر اسلامی نہیں ہے آپ کو ایک فیصد عورتیں بھی ایسی ملتی ہیں جو مکمل طور پر گھر کی کفیل ہوں۔ یہ تو صرف اس لیے ہو رہا کہ بعض طاقتیں حکومت کے ان اقدامات کو روکنا چاہتی ہیں جو وہ اسلامی منزل کی طرف اٹھا رہی ہے۔ اور چند مغرب زدہ خواتین ان کے چھنڈے میں آجاتی ہیں اور واویلا کرتی ہیں کہ ہائے ہمارے حقوق۔

خورشید النساء: معاف کیجئے اس معاملہ میں ہر عورت مغرب زدہ بھی نہیں۔

بیگم واصل: میں نے عرض کیا تھا کہ میری کچھ سادہ لوح بہنیں ان کی آلۂ کار بن جاتی ہیں۔

خورشید النساء: اتنی سادہ لوح بننے والی میں بھی نہیں ہوں۔

بیگم واصل: اختلاف ہے ہو سکتا ہے لیکن جب تمام علماء کا اس پر اتفاق ہے تو اب عورتیں ہوتی کون ہیں اس پر بولنے والی مریم بہن نے بہت عمدہ بات کہی ہے۔ کیا ہم علماء سے زیادہ عالمہ ہو گئی ہیں کہ ائمہ اربعہ صحابہ کرام تابعین اور تبع تابعین کے فیصلہ کو چیلنج کریں۔

خورشید النساء: معاف کیجئے کوئی ایسا معاملہ جس میں قرآن کا فیصلہ نہ ہو اور اس کے متعلق صحیح احادیث ملتی ہوں جو اجماع کے خلاف ہوں تو اس کے متعلق معلومات حاصل کرنا۔ یا معلومات دینا کوئی گناہ کی بات نہیں ہے۔ آپ کا فرمانا کہ آج یہ علماء نے بات اٹھائی ہے۔

بیگم واصل: میں نے علماء کا نام نہیں لیا میں نے تو کہا ہے کہ مغرب زدہ خواتین نے یہ بات اٹھائی ہے اور باقاعدہ ہمارے ملک میں یہ چیز پھیلائی گئی ہے۔

نزہت : جب یہ معاملہ اٹھ ہی کھڑا ہوا ہے تو بجائے اس کے آدھی آدھی اور پوری پوری کرتے رہنے کے ہمیں اس پر غور کرنا چاہیئے ۔

بیگم واصل صاحبہ : دیکھیئے میں نے نظیر پیش کی کہ حضرت عمرؓ نے آدھی رکھی آپ بھی کوئی نظیر لائیئے ۔

نزہت : میری گذارش یہ ہے کہ جب یہ مسئلہ عوام میں آ ہی گیا ہے تو ہم اس کے دونوں پہلوؤں کو عوام کے سامنے اس قدر واضح کر دیں کہ عوام سمجھ سکیں کہ آدھی دیت ہی صحیح ہے اگر ہم دباتے رہیں گے تو نتیجہ کیا ہوگا یہ کہ لوگ سمجھنے لگیں گے کہ شاید اسلام میں عورت کے حقوق آدھے ہیں

خورشید النساء : اظہار خیال پر پابندی کیوں لگائی جائے ۔

بیگم واصل : ہم کہاں دباتے ہیں ہم ان کو مدلل جواب دے رہے ہیں وہ صرف شور و غوغا مچا کے اٹھ جاتی ہیں میں تقریباً دس پندرہ ایسی میٹنگوں میں جا چکی ہوں ۔

نزہت : ٹھیک ہے لیکن جو خاتون یہاں بات کر رہی ہیں انہوں نے اس موضوع پر کچھ ریسرچ کی ہے اس طرح ایک تو یہ فائدہ ہوگا کہ خواتین میں ریسرچ کا مادہ تو ہے دوسرے وہ گوشے جو ابھی تک آپ یا میری نظر سے نہیں گذرے ان کے بارے میں علم ہو جائے گا ۔

خورشید النساء : معاف کیجئے آج سے تقریباً تیس سال قبل کے ایک مصر کے عالم جسے مصر والے علی محمود اکبر کے نام سے پکارتے ہیں محمود شلتوت انہوں نے بھی یہ مسئلہ اٹھایا تھا انہوں نے بھی کہا تھا مرد اور عورت برابر ہیں اور آپ نے اخبارات میں پڑھا ہوگا کہ مصر میں یہ بات تسلیم کی گئی ہے ۔

بیگم واصل : علمائے مصر تو اجماع امت کے بہت سے مسائل سے اختلاف کر چکے ہیں ۔ اور ان کا اسلامی اعتبار سے جو تنزل ہے وہ ہمارے سامنے موجود ہے ۔ وہاں پر سوشلزم کی وبا کھل چکی ہے اور ان کا حشر وہ سب کے سامنے ہے ہم پاکستان کو مصر نہیں بنانا چاہتے ۔ علمائے مصر کوئی اتھارٹی نہیں ۔ ہمارے لیے اتھارٹی محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ ہیں ۔

خورشید النساء : حضرت امام احمد بن حنبل کو تو آپ مانتی ہیں نا ان کے استاد جن کے

متعلق انہوں نے کہا ہے کہ میں دس سال تک ان سے پڑھتا رہا تھا جن کا نام ہے ابن علیہ جو عباسیہ کے زمانے میں وہ قاضی رہے ہیں۔ انہوں نے بھی اپنی رائے یہی دی ہے۔ اور انہوں بھی بھی ذکر کیا ہے

بیگم واصل: دیکھئے میں آپ کو صحابہ کے دور کے مستند حوالے اور نظائر پیش کر چکی ہوں تابعین کا دور تو حجت نہیں ہے۔

بیگم عبدالسلام: محترمہ ابن علیہ کوئی متفق علیہ عالم نہیں ہیں انہیں لوگوں نے معتزلی بھی لکھا ہے۔

خورشید النساء: دیکھئے نا اگر مسلمان کسی غیر مسلم کو قتل کرے تو امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مسلمان کو قصاص میں قتل کیا جائے گا لیکن باقی ائمہ کہتے ہیں کہ دیت دلائی جائے گی۔ تو میرا مطلب یہ ہے کہ آپ ٹھنڈے دل سے سوچیں نہ آپ اپنی منائیں اور نہ میں اپنی۔ نہ آپ مجھ سے ناراض ہوں نہ میں آپ سے یہ تو تبادلہ معلومات ہے۔ یہ اختلاف ذاتی اختلاف نہیں۔ دیکھے ایک بوڑھا کینسر کا مریض جان بلب پڑا ہے اگر وہ قتل خطاء ہو جائے تو سو اونٹ اور ایک خاتون خانہ سے جوان قتل ہو جائے تو نصف یہ کہاں کا انصاف ہے ایک دن کا بچہ کفالت بھی نہیں کرتا وہ قتل ہو تو سو اونٹ اور توانا عورت قتل ہو نصف۔

بیگم واصل: آپ تو مفروضوں پر بات کرنے لگی۔ بھلا اس بوڑھے کو کون بے وقوف قتل کرے اور ایسے معصوم بچے پر کون ہاتھ اٹھائے گا۔ کیا آپ کوئی مثال پیش کر سکتی ہیں کہ کسی سو سال کے کینسر زدہ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ کسی جج سے پوچھئے کہ قتل خطاء کے واقعات کیسے رونما ہوتے ہیں۔ خیال کے گھوڑے سے دوڑا کر صحابہ کرام کے متفقہ فیصلہ کو بدلنے سے پہلے حقیقت حال کو جانچئے اور خدا کا خوف کیجئے۔

خورشید النساء: یہ معلومات جو یہاں پر آ رہی ہیں ان کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک تحقیق کر رہے ہیں تاکہ جن بہنوں کو اس کا نہیں پتہ ان کو پتہ چل جائے کہ انہیں کیا کرنا چاہیئے کئی مثالیں ذہن میں ہوتی ہیں ابھی یہاں پر ایک چیز ہے کہ باپ اگر بیٹے کو قتل کر دے تو دیت کی رقم پر ایک تہائی کا اضافہ کر دیا جائے گا امام احمد بن حنبل کے نزدیک حرم میں قتل کرنے پر معاوضہ بڑھ جائے گا۔ اس

کا مطلب یہ ہے کہ معاوضہ مقرر نہیں ہے معاوضہ بڑھ بھی سکتا ہے اور گھٹ بھی سکتا ہے۔

بیگم واصل: ایک بات میں عرض کروں کہ حدیث جس طرح آج مدون اور مطبوعہ شکل میں ہم کو ملتی اس صورت میں اس زمانہ میں نہ تھی۔ ایک ایک حدیث کے حصول کے لیے چھ چھ مہینے کا سفر ہمارے فقہا کو کرنا پڑتا تھا تو اس میں بھی یہ ہوا کرتا تھا کہ اگر کسی فقیہ کو کوئی حدیث نہ ملی تو انہوں نے قرآن کا مطالعہ کیا اور پھر اس کے بارے میں اپنی رائے دی۔ امام ابوحنیفہ ہی کا قول ہے۔ جب تمہیں میری رائے کے خلاف کوئی حدیث مل جائے تو میرے قول کو دیوار پر دے مارو۔ تو اس لیے ائمہ میں بہت سی باتوں میں اختلاف پایا جاتا ہے، اس لیے ہوتا یوں ہے کہ چاروں ائمہ کے اقوال کو ملا کر بیچ میں سے کوئی راہ نکالی جاتی ہے۔ یہ کام علماء کا ہے میری یہ حیثیت نہیں ہے کہ میں اس پر بحث کروں میں تو ان کے پاؤں کی جوتی بھی نہیں۔ جب صحابہ کرام کا طرز عمل ہمیں مل جائے تو پھر ائمہ کو سامنے نہیں لائیں گے سب سے پہلے جو اولیت دی جائے گی وہ صحابہ کرام کے فیصلوں کو دی جائے گی۔ اس کے بعد ہم چاروں ائمہ کی طرف رجوع کریں گے اور اس طرح یہ سلسلہ چلتا رہے گا قیامت تک تفقہ فی الدین کا۔

خورشید النساء بیگم: جب آپ اس چیز کو مانتی ہیں تو پھر اگر حدیث مل رہی ہے۔

زبیدہ واصل: وہ حدیث اس طرح نہیں ہے۔ اس دور میں تو کوئی نظیر ہی ایسی نہیں ملتی کہ عورت خطا نسل ہوئی ہو۔ ایسے تو بہت سے احکام ہیں جن کے متعلق کہا جا سکتا ہے کہ یہ مرد کے لیے تھے ہیں اور عورت کے لیے بھی۔ اگر ایسا ہی ہوتا تو پھر جہاں کہیں بھی یا ایہا الذین امنوا ہے۔ اس میں عورت بھی شامل ہوتی اور عورت پر تعلیم و تربیت بھی لازم ہو جائے کمانا بھی اس پر لازم ہو جائے تو معاشرہ کا ادہم برہم ہو جائے۔ ہمیں حدیث کو اور صحابہ کے طرز عمل کو لینا پڑے گا۔ یہ بات جو آپ کہہ رہی ہیں منکرین حدیث کی ہے جو حدیث کے ذخیرے کو ختم کرنا چاہتے ہیں۔ ہم سب لوگ بحمد اللہ قرآن اور حدیث کو حجت مانتے ہیں لہٰذا ہمیں ان لوگوں سے ہوشیار رہنا چاہیے

دعائے خیر

مرکز تحقیق کی جانب سے محترمہ طاہرہ قمر نے شرکاء کا شکریہ ادا کیا۔